تفسیر احمد

سُورَةُ الشَّمْسِ

Ketabton.com

جزء - 30

سوره «الشّمس» کا تفسیر و ترجمه

تصنیف: امین الدین « سعیدي - سعید افغانی»

(c) ketabton.com: The Digital Library

بسم الله الرحمن الرحیم
سورة الشمس
پاره ۳۰

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اس کی ۱۰ آیتیں ہیں

وجہ تسمیہ:

یہ بات قابل ذکر سمجھتا ہوں کہ: قرآن کریم میں بعض موضوعات ایک قسم کے ساتھ آئے ہیں۔

مثال کے طور پر: "وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ" اور بعض حالات میں دو قسمیں پے در پے آتی ہیں جیسے : " وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى"۔

اور بعض مواقع پر تین قسمیں یکے بعد دیگرے آئی ہیں: " وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا"۔

اور بعض حالات میں چار قسم مسلسل آتی ہیں، جیسے: "وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ"۔

اور بعض مرتبہ پانچ قسمیں لگاتار آئی ہیں، جیسے: "وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ"۔

لیکن قرآن کریم میں سب سے زیادہ قسمیں یکے بعد دیگرے اسی سورہ مبارک شمس میں آئی ہیں کہ جن کی تعداد گیارہ مسلسل قسموں تک پہنچتی ہے کہ ان میں سے: سورج اور چاند، دن اور رات، آسمان اور زمین، نفس کی پاکی کی قدر اور اہمیت کی تاکید کی گئی ہے۔

سورہ شمس کو اس نام سے مسمی کرنے کی وجہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن کریم کی سورتوں کے نام وحی کے ذریعے متعین ہوگئے تھے۔

بعض مواقع پر محدثین اور مفسرین نے سورتوں میں موجود مناسبتوں کی وجہ سے اس سورہ کو دوسرے نام بھی دئیے ہیں، اس بناء پر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کی سورتوں کے ناموں میں مختلف اعتبارات کو مدنظر رکھا گیا ہے جن میں سے کچھ یہ ہیں:

الف: سورہ کا نام رکھنا سورت کے پہلے لفظ یا الفاظ اور ان کے معانی کی بنیاد پر، جیسے سورہ برائت "توبہ" یا سورہ قل ھو اللہ "توحید"۔

ب: سورہ کا نام رکھنا اس نام کی بنیاد پر جو اس سورہ میں آیا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ج: ایک خاص موضوع کی بنیاد پر نام رکھنا جو اس سورت میں آیا ہے اور باقی سورتوں میں نہیں ہے، بلکہ اس سورت میں زیادہ وسیع اور مکمل انداز میں پیش کیا گیا ہے، (الاتقان، جلال الدین، جلد: ۱، صفحہ ۱۱۸ کے بعد نشر دارالکتب العلمیه)

سورة الشمس کا نام بھی مندرجہ بالا احتمالات میں سے ایک کی وجہ سے ہے، یعنی کہ یہ سوره لفظ قسم "الشمس" کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔

سورة الشمس کا سورة البلد سے ربط و مناسبت

سوره "شمس " نے سوره قدر کے بعد مکہ میں شرف نزول پایا۔

مفسرین سوره شمس کے سوره بلد کے ساتھ ربط و تعلق کے بارے میں لکھتے ہیں:

الف: سوره بلد کا اختتام اہل سعادت (اصحاب میمنہ) اور اہل شقاوت (اصحاب مشئمہ) کے تعارف کے ساتھ ہوا، اور یہ سورت بھی دو گروہوں کو واضح طور پر بیان کرتی ہے (ملاحظہ فرمائیں: آیہ مبارک:۹، ۱۰)

ب: سوره بلد کے آخر میں کفر اختیار کرنے والوں کی واپسی اور انجام کی وضاحت کی گئی اور سوره شمس کے آخر میں بھی بعض کفر اختیار کرنے والوں کی دنیاوی سزاء مذکور ہوئی ہے۔

سوره شمس کی آیات، الفاظ اور حروف کی تعداد

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اس سورت کا نام "الشمس" سورج ہے جو کہ پہلی آیت سے لیا گیا ہے، اس سورت کا ایک (۱) رکوع، پندره (۱۵) آیتیں، پچاس (۵۰) الفاظ، دو سو سینتالیس (۲۴۷) حروف اور ستانوے (۹۷) نقطے ہیں۔

(واضح ر ہے کہ سورتوں کے حروف کی تعداد میں علماء کی آراء مختلف ہیں، اس بحث کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے سوره "طور" تفسیر احمد کی طرف رجوع کریں)

سوره شمس کا موضوع اور فضیلت

یہ سورت دراصل "تزکیہ نفس" یعنی دلوں کو ناپاکیوں اور نجاستوں سے پاک کرنے والی ہے، اگر انسان بدبخت بن جاتا ہے تو اس کو چاہئیے کہ اس شقاوت اور بد بختی کی وجوہات کو اپنے اندر تلاش کرے، اگر وہ حقیقی سعادت اور خوش نصیبی تک پہنچنا چاہتاہے تو اس کو چاہئیے کہ اس سعادت کے لوازم اپنے اندر پیدا کرے۔

سورت کا خلاصہ اس مفہوم کے گرد گھومتا ہے تاہم، سورت کے شروع میں گیارہ اہم موضوعات مذکور ہیں جو عالم تخلیق سے ہیں، اور خدا کی پاک ذات نے اس معنی کو ثابت کرنے کے لیے کہ فلاح اور نجات روح کی تطہیر پر منحصر ہے ان اشیاءکی قسم کھائی ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا قرآن کریم میں کئ چیزوں کی قسمیں ایک ساتھ کھائی گئی ہیں۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

سورہ شمس نفس کو پاک نہ کرنے کے نتائج کی دو حصوں میں وضاحت کرتی ہے:
پہلے حصے میں (آیات: ۱ تا ۱۰) نفس کو تزکیہ نہ کرنے کے انفرادی نتائج کی طرف اشارہ کرتا ہے، اس بیان میں مظاہر پر قسم کھاکر جیسے: سورج اور چاند، رات اور دن، آسمان اور زمین جو باہمی خصوصیات کے حامل ہیں، اور انسانی روح جس کی دو مختلف حالتیں فجور اور تقوی ہیں اس حقیقت کی وضاحت کرتی ہیں کہ انسان کی نجات نفس کی پاکیزگی پر منحصر ہے، اگر انسان اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرے تو ابدی فلاح و کامیابی سے محروم رہے گا۔
دوسرے حصے میں (آیات:۱۱تا ۱۵) انسانی نفس کے تزکیہ نہ ہونے کے اجتماعی نتائج کے ساتھ خاص ہیں اس بیان میں قوم ثمود کے مہذب اور ترقی یافتہ لوگوں کی سماجی فساد کے پھیلاؤ کی وجہ سے تباہی کا ذکر کرتے ہوئے اس نکتے کی تصدیق کی گئی ہے کہ ان کی منحوس حالت اور خراب قسمت اس حقیقت کی وجہ سے تھی کہ قوم ثمود نے (پیغمبرکے بجائے) ایک فاسد اور گمراہ شخص کی پیروی کی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ نہیں کیا تھا۔

سورة الشمس

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰىہَا ۪ۙ۱ وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىہَا ۪ۙ۲ وَالنَّہَارِ اِذَا جَلّٰىہَا ۪ۙ۳ وَالَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰىہَا ۪ۙ۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا
بَنٰىہَا ۪ۙ۵ وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰىہَا ۪ۙ۶ وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىہَا ۪ۙ۷ فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَتَقۡوٰىہَا ۪ۙ۸ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ
زَکّٰىہَا ۪ۙ۹ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىہَا ۪ؕ۱۰ کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِطَغۡوٰىہَاۤ ۪ۙ۱۱ اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰىہَا ۪ۙ۱۲ فَقَالَ لَہُمۡ
رَسُوۡلُ اللّٰہِ نَاقَۃَ اللّٰہِ وَسُقۡیٰہَا ؕ۱۳ فَکَذَّبُوۡہُ فَعَقَرُوۡہَا ۪۟ۙ فَدَمۡدَمَ عَلَیۡہِمۡ رَبُّہُمۡ بِذَنۡۢبِہِمۡ فَسَوّٰىہَا ۪ۙ۱۴ وَلَا
یَخَافُ عُقۡبٰہَا ۱۵

سورت کا مختصر ترجمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع کرتاھوں الله کے نام سے جوبڑا مہربان نہایت رحم والاھے
وَالشَّمۡسِ وَضُحٰىہَا ۪ۙ۱	آفتاب اور اس کی روشنی کی قسم (۱)
وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىہَا ۪ۙ۲	اور چاند کی جب اس کے پیچھے نکلے (۲)
وَالنَّہَارِ اِذَا جَلّٰىہَا ۪ۙ۳	اور قسم ہے دن کی جب وہ اس (سورج) کو ظاہر کردے! (۳)

(c) ketabton.com: The Digital Library

وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰٮهَا ۴○	اور قسم ہے رات کی جب وہ اس (سورج) کو ڈھانپ لے (۴)
وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰٮهَا ۵○	اور آسمان اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا (۵)
وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰٮهَا ۶○	اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے بچھایا (۶)
وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰٮهَا ۷○	اور قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے ٹھیک بنایا (۷)
فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰٮهَا ۸○	پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری اس پر الہام کردی (۸)
قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰٮهَا ۹○	یقیناً وہ کامیاب ہوگیا جس نے اپنا نفس پاک کرلیا (۹)
وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰٮهَا ۱۰○	یقیناً وہ نامراد ہوگیا جس نے اسے دبادیا (۱۰)
كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِطَغۡوٰٮهَا ۱۱○	قوم ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (پیغمبر) کو جھٹلایا (۱۱)
اِذِ انۡۢبَعَثَ اَشۡقٰٮهَا ۱۲○	جب اس کا سب سے بڑا بدبخت اٹھا (۱۲)
فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقۡيٰهَا ۱۳○	تو ان سے اللہ کے رسول نے کہا اللہ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری (کا خیال رکھو) (۱۳)
فَكَذَّبُوۡهُ فَعَقَرُوۡهَا○ فَدَمۡدَمَ عَلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِذَنۡۢبِهِمۡ فَسَوّٰٮهَا ۱۴○	مگرانہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو خدا نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور سب کو (ہلاک کرکے) برابر کردیا
وَلَا يَخَافُ عُقۡبٰهَا ۱۵○	اور وہ اس (سزاء) کے انجام سے نہیں ڈرتا (۱۵)

سورت کی تفسیر:

اس مبارک سورت میں سزاؤں کے مضامین، تزکیہ شدہ نفس اور ناپاک نفس کا بدلہ اور سرکشوں اور بُرے اعمال والے لوگوں کے نتائج کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰٮهَا ۱○	آفتاب اور اس کی روشنی کی قسم (۱)

جب یہ دنیا کو روشن کرتا ہے اور تاریکی کو منتشر اور ختم کرتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

"ضُحٰی" سورج جب طلوع ہونے کے بعد اوپر آجائے جب اس کی چمک اور روشنی تکمیل کو پہنچے، یا یہ معنی ہے کہ: سورج ہمیشہ روشن اور چمکتا رہتا ہے، کہ یہ معنی قرآن عظیم کے معجزات میں سے ایک معجزہ کا حاصل ہے۔

وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝۲	اور چاند کی جب اس کے پیچھے نکلے (۲)

اور چاند کی قسم جب وہ سورج کے پیچھے پیچھے چلے (اور سورج کے نائب کے طور پر وہ چاندزمین کو اپنی روشنی پرون میں سمودیتاہے)

"تَلٰىهَا" اس کے پیچھے نکلا، اس کے پیچھے چل پڑا، یعنی دن کے وقت سورج اور رات کو چاند چمکتا ہے، یہ آیت سورج کی ایک اور چمک اور مظہر ظاہر کرتی ہے، یہ بات قابل ذکر ہے کہ چاند اپنی روشنی اور چمک کے علاوہ، جو اسے سورج سے حاصل ہوتی ہے، سورج کے گرد بھی گھومتا ہے۔

وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝۳	اور قسم ہے دن کی جب وہ اس (سورج) کو ظاہر کردے! (۳)

اور دن کی قسم جب وہ سورج کو ظاہر کرتاہے (اور اس کی عظمت کو اپنے چہرے پر ظاہر کرتا ہے) ہاں! البتہ وہ نظروں سے محجوب ہے، اور پردے کے پیچھے ہے، ایک دن اسے ظاہر کردے گا۔

ابن کثیر ؒ فرماتے ہیں: یعنی یہ زمین کی وسعت کو روشن کرتا ہے اور کائنات کو اپنی روشنی سے منور کرتا ہے، (مختصر ۳/۶۴۴)

"النَّهَارِ" دن، "جَلّٰىهَا" اسے روشن کردیا، نمایاں کردیا، "ها" کی ضمیر سورج کی طرف لوٹتی ہے، یہ درست ہے کہ درحقیقت سورج دن کو ظاہر کرتا ہے، لیکن آیت کا صریح معنی یہ ہے کہ دن سورج کو ظاہر کرتا ہے، ایک مخفی اشارے سے سورج کی روشنی میں زمین کا دخل اور کردارہے، کیونکہ حقیقت میں یہ سورج کے ساتھ زمین کہ روز سورج زمین پر طلوع ہوتاہے اور روشن ہوتاہے، بہ ہر صورت، سورج کی روشنی اور زمین پر موجود مخلوقات پر اس کے حیرت انگیز اثرات کے بارے میں بات کی گئی ہے۔

"جَلّٰىهَا" جَلو کے مادے سے کسی غیر واضح اور مبہم چیز کو روشن اور ظاہر کرنے کا معنی دیتا ہے، یعنی خفیہ چیز کو دریافت کرنا، اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک "جلیل" ہے جو اسی مادے سےہے، یعنی وہ جس کا کام واضح اور روشن کرنا ہے۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝۴	اور قسم ہے رات کی جب وہ اس (سورج) کو ڈھانپ لے (۴)

اور اسے اندھیرے کے پردے کے پیچھے چھپا دے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

"يَغْشٰهَا" سورج کو ڈھانپ لیتا ہے، "ھا" کی ضمیر سورج کی طرف لوٹتی ہے، کیونکہ ایک بار پھر زمین کے ایک حصے کے سورج کے ساتھ تقابل وتخالف کی وجہ سے رات سورج کے چہرے پر پردے کی طرح گرتی ہے اور سورج کو زمین کے افق میں ڈھانپ لیتی ہے۔

مفسر صاوی فرماتے ہیں: فواصل کی رعایت کرتے ہوئے فعل مضارع "يَغْشٰهَا" لایا، "غشیھا" نہیں کہا (تفسیر صاوی ۴/۳۲۱)

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰـهَا ۝	اور آسمان اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا (۵)

احتمال ہے کہ "مَا" موصولہ ہو، اور اس طرح معنی کیا جائے: قسم ہے آسمان اور اس کے بانی کی جو کہ خدا تعالیٰ ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ "مَا" مصدریہ ہو، پھر اس طرح معنی کیا جائے گا: قسم ہے آسمان اور اس کی بناوٹ کی جو نہایت خوبصورتی اور استحکام کے ساتھ بنایا گیا ہے۔

"مَا"اس جملے میں موصولہ ہے اور اس سے مراد پروردگار کی ذات پاک ہے۔

عرب کی لغت میں موصول مشترک عاقل کے لیے "مَن" اور غیر عاقل کے لیے "مَا"استعمال ہوتا ہے، لیکن بعض مواقع پر ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہوتے ہیں، (ملاحظہ فرمائیں: سورہ نساء: ۳ و ۲۲ اور سورہ بلد ۳)

یہاں لفظ "مَا" کا استعمال وصفیت کے لیے ہے، یعنی وہ عظیم الشان اور مضبوط طاقت جس کا ذکر ہوچکا اس سے معلوم ہوا کہ، لفظ "مَا" یا "مَن" کا استعمال خدا کے لیے یکساں ہے، کیونکہ ان دونوں لفظوں میں سے ہر ایک کا استعمال، بشر کے ذہن اور سمجھ کے اس تصورکےمطابق ہے جو وہ خدا کے بارے میں رکھتاہے، جبکہ خدا تو نادرالعقول ہے انسانی عقل و ادراک میں اس کا تصور نہیں آسکتا ۔ (ملاحظہ کریں جزء عمہ شیخ محمد عبدہ)۔

وَالْأَرْضِ وَمَا طَحٰـهَا ۝٦	اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے بچھایا (۶)

قسم ہے زمین کی اور اس کی جس نے زمین کو بچھایااور پھیلا دیا، اس کے گول ہونے اور تیز گردش کے باوجود، اس نے اسے انسانوں کی زندگی اور پودوں کی ہریالی اور نشوونما کے لیے پھیلایا اور بڑھایا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

"طَحٰىهَا" چلایا، پھینکا، گرایا، پھیلایا یہ لفظ سورہ نازعات آیت (۳۰) میں"دَحٰىهَا" کے ہم معنی ہے، دال کو طاء سے بدلنا جائز ہے (ملا حظہ کریں لسان العرب، روح البیان، کبیر).

زمین کی کِرَوِی یعنی گیند کی طرح گول ہونے اور وضعی اور انتقالی حرکت کی طرف اشارہ ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا۝	اور قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے ٹھیک بنایا (۷)

اور قسم انسان کی روح کی اور اس کی جس نے اسے بنایا اور اسے منظم کیا، (اس کی روحانی صلاحیتوں اورجسمانی قوتوں کو منظم کیا).

"نَفْس" خود انسان ، اس سے مراد انسان کی انسانیت ہے جو روح حیوانی اور جسم کے علاوہ ہے اور جو حیرتوں اور رازوں سے بھری ہوئی ہے، لفظ نَفْسٌ کا نکرہ لانا، یہ اشارہ ہوسکتا ہے ناقابل تصور عظمت اور اہمیت کی طرف جو انسانی علم سے ما ورا ہے، تخلیق کی دنیا کا یہ عجوبہ اور شاہکار جسے سائنسدانوں نے بجا طور پر "نامعلوم موجود" کہا ہے، (یعنی جسم اور حیوانی روح کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جسے انسانیت کہاجاتاہے، یہاں نفس سے وہی مراد ہے.

"سَوّٰىهَا" اسے بنایا اور برابر کیا، اس طرح اس نے انسانی جسم کے ہر عضو کو ایک کام کے لیے اور اس کی ہر قوت کو ایک مقصد کے لیے بنایا اور جسم کی علامت اور بناوٹ اور اس کے تناسب کا لحاظ رکھا، (مراجعہ فرمائیں سورہ: قیامہ آیہ ۳۸، سورہ کهف آیہ ۳۷، سورہ انفطار ۷).

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۝	پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری اس پر الهام کردی (۸)

اسے گناہ سے بچنے اور تقوی اختیا رکرنے کی سمجھ دی ہے، (اور اس کو وحی کے ذریعے کھائی اور راستہ، اچھائی اور بُرائی دکھادی ہے) ابن عباسؓ فرماتے ہیں: بھلائی اور بُرائی، فرمانبرداری اور گناہ اس کے لیے واضح کرکے بیان کردیا ہے، اور اسے سکھادیا ہے کہ کیا چیز مناسب ہے اور کیا چیز پرہیز کے لائق ہے.

"اَلْهَمَ" الہام کیا ہے، دکھایا ہے، سمجھایا ہے، "فُجُوْرَ" گناہ اور معصیت کی طرف رحجان، حق اور حقیقت سے کنارہ کشی، (معجم الفاظ القرآن الکریم)

اس سے مراد بُرائی اور گناہ کا راستہ ہے، فُجُور ثلاثی مجرد کا مصدر ہے جیسے جُلوس و قُعود.

(c) ketabton.com: The Digital Library

"تَقْوٰی" پرہیز، اس سے مراد خیر اور حق کا راستہ ہے، (مراجعہ فرمائیں: سورہ بلد: ۱۰)
مفسرین کہتے ہیں: خدا نے سات چیزوں کی قسم کھائی ہے، یعنی: "سورج، چاند، رات، دن، آسمان، زمین اور انسانی جان کی" اپنی عظیم قدرت کو ظاہر کرنے، اور ربوبیت اور الوہیت میں اپنی وحدانیت بتانے کے لیے قسم کھائی ہے، ان چیزوں کے فائدے کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، تاکہ یہ ثابت کرے کہ کسی بنانے والے نے اسے بنایا ہے اور کسی مدبّر نے اس کی حرکات و سکنات کو ترتیب دیا ہے۔
امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں: چونکہ سورج محسوسات میں سے سب سے بڑا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی چار صفات ذکرکی ہیں جو اس کی عظمت کو ظاہر کرتی ہیں، اس کے بعد اللہ نے اپنی پاک ذات کا تذکرہ فرمایا اور اسے تین صفات کے ساتھ بیان کیا تاکہ عقل و دانش اس کی شان و عظمت کو ٹھیک طرح سے سمجھ سکے، اور اس طرح عقل کو حواس کی دنیا کی تہہ سے لے کر اپنی عظمت کی وسعتوں کی بلندیوں تک لیجائے، (صفوة التفاسير)

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰٮهَا۪ۙ‏ ○	یقیناً وہ کامیاب ہوگیا جس نے اپنا نفس پاک کرلیا (۹)

(ان سب چیزوں کی قسم) وہ شخص نجات اور کامیابی حاصل کرے گا جو اپنے نفس کو (نیک اعمال اطاعت اور عبادت کرکے اور گناہوں اور ممنوعات کو چھوڑ کر) پاک کرے (اور اسے انسانی شناخت دے کر ترقی دے اور بڑھائے)۔
"قَدۡ اَفۡلَحَ" یقیناً کامیاب ہے، کامیاب ہوا، گیارہ قسموں کا جواب ہے، (ملاحظہ فرمائیں: المصحف الميسّر، صفوة التفاسير، روح المعاني)
"زَكّٰى"پاک رکھا، اس سے مراد ہے کہ روح کو، اوامر کے انجام دہی اور نواہی کے ترک کے ذریعے پاک کیا جائے اور اسے سنوارا جائے(مراجعہ کریں: سورہ: بقرہ:129 و 151، سورہ توبہ:103، سورہ نازعات: 18)
اس کا مقصد تقویٰ اور اطاعت کا جذبہ پیدا کرنا اور انسانی شخصیت کو ظاہر کرنا اور نیکی اور نیک اعمال کی صلاحیتوں کو ابھارنا ہے، یہ تزکیہ کے مصدر سے تطہیر اور تَنمِیہ(نشوونما) کے معنی میں ہے(اس کی تفصیل آپ تفسیر: روح المعانی میں قرآن کی روشنی میں دیکھ سکتے ہیں۔
واضح رہے کہ ایک پاک اور باشعور انسان معاشرے میں تبدیلی کا ذریعہ بن سکتا ہے، اور معاشرے کو ترقی، شجاعت، ہمت، تشخص، علم اور وحدت دیتا ہے، جیسا کہ ایک ناپاک اور غیر مہذب انسان اپنی خواہشات کے حصول کے لیے قوموں کو فساد، تباہی اور تنزل کی طرف لے جاتا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

قرآن عظیم میں انسانوں کی نجات کے لیے دو اعمال تجویز کیے گئے ہیں: ایک ایمان اور دوسرا تزکیہ۔

وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ۱۰	یقیناً وہ نامراد ہوگیا جس نے اسے دبادیا (۱۰)

اور جو اپنے نفس کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ چھپانے کی چیز نہیں ، چھپانے کی مستحق نہیں ، بلکہ ظاہرکرنے کا مستحق ہے، اور اسے ذلیل کرتا ہے، اور یہ اس طرح ہوتاہے کہ اسے برائیوں سے آلودہ کرکے اور عیوب کے قریب کرکے اور گناہوں کے ارتکاب سے اور ان صفات کو ترک کرنے سے ہوتا ہے جو روح کو کامل بناتی ہیں، اور اس کی نشوونما کرتی ہیں، اور ان صفات کے ساتھ ملنا جو روح کو آلودہ کرتی ہیں (جو شخص ایسا کرے وہ نا کام اور نقصان اٹھانے والا ہے)۔

"قَدۡ خَابَ" خابَ: خَيْبَةٌسے ہے، مکمل نا امید اور ناکام ہوگیا، وہ یقینی طور پر مطلوبہ مقصد تک نہ پہنچ سکا، محروم اور بے کار ہوگیا (مراجعہ فرمائیں: سورہ: آل عمران: ۱۲۰، ابراہیم: ۱، سورہ طہٰ: ۶۱ و ۱۱)

"دَسّٰى" چھپایا ، آلودہ کردیا، از مصدر تَدْسِيَة: بہ معنی نقص اور اخفاء کے ہے، یہ صلاحیت کو ناکارہ اور بند کرنا ہے، در اصل "دَسَّسَ" "دَسَّ" مٹی کے نیچے کسی چیزکو چھپانا ہے، اور مضاعف کا دوسرا حرف "ی" سے بدل گیا ہے، "تَقَضَّضَ" اور "تَظَنَّنَ" جیسے کہ یہ تقضّی اور تَضنّی بھی پڑھے گئے ہیں۔

قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ضروری صلاحیتیں، اور بیدار ضمیر، اچھی اور بُری چیزوں کی سمجھ، سعادت کے راستے پر چلنے کے لیےعطا کی ہیں، چنانچہ ان کو ضائع کرنے یا بے ثمر چھوڑنے کا حساب انسان سے ہوگا۔

كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِطَغۡوٰىهَاۤ ۱۱	قوم ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (پیغمبر) کو جھٹلایا (۱۱)

قوم ثمودنے اپنی سرکشی، نافرمانی، تکبر اور حق قبول کرنے سے انکار اور اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے اسے جھٹلادیا ۔

"طَغۡوَيَا" طغیان، سرکشی، اس کا مطلب ہے مقررہ حدود الٰہی سے تجاوز کرنا، اور اس کے حکموں کی نافرمانی کرنا جو نفس کا سب سے بڑا گناہ ہے۔

"بِطَغۡوٰىهَاۤ" اپنی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے، یا ان کی سرکشی اور نافرمانی۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

"ثَمُوْدُ" پتھر والے جنھوں نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو جھٹلایا، ثمود صالح علیہ السلام کا مشہور و معروف قبیلہ ہے، چونکہ ان کے گھر اور عمارتیں پتھر کی بنی ہوئی تھیں اس لیے انہیں" اصحاب حجر" کا خطاب ملا، پچھلی آیات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مثال کے طور پر قوم ثمود کا ذکر فرمایا ۔

اِذِانْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا۠ ۝۱۲	جب اس کا سب سے بڑا بدبخت اٹھا (۱۲)

جب ان میں سے سب سے بدنصیب اٹھا اور گیا (تاکہ اونٹنی کی کونچیں کاٹ دے، اس طرح گناہ اور خطاء کا مرتکب ہوکر مجرم بن گیا) یہ بات قابل ذکر ہے کہ: گناہ پر تشویق اور ترغیب دینا اور اکسانا بھی گناہ سمجھا جائے گا۔
ابن کثیر نے کہا: اس بدبخت انسان سے مراد: "قُدار بن سالف" ہے۔
"اِنْۢبَعَثَ" انْبَعَثَ فعل بَعْث سے ہے، یعنی: کھڑا ہوا اور روانہ ہوگیا، جب اس قوم نے "قُدار" کو بھیجا تو "قُدار" نے ان کی تایید اور حمایت سے اونٹنی کو قتل کر ڈالا۔
حقیقت یہ ہے: مقدسات کو توڑنا بدبختی کی علامت ہے، جو چیز جتنی زیادہ مقدس ہوگی اسے توڑنے کے لیے اتنی ہی زیادہ بدبختی درکار ہو گی، جیسا کہ آیت مبارکہ میں لفظ "اشقی" اسم تفضیل ذکر کیا گیا ہے جس کا معنی ہے بہت زیادہ یا سب سے زیادہ بد بخت۔
ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تزکیہ کی فکر میں نہیں ہے ، اس بارے میں نہیں سوچتا، وہ ابتداء میں چُھپ چُھپ کر نفس کی پیروی کرتا ہے جیسا کہ آیت مبارکہ میں ہے: "وَقَدۡخَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا" پھر اس کے بعد علانیہ طور پر: " اِذِانْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا" کا ذکر کیا گیا ، یہ واضح ہے کہ بُرا عمل انجام دینے میں جو زیادہ بدبخت ہے وہ بہت متحرک ہوگا۔
"اَشْقٰىهَا" قبیلے کا سب سے بد بخت "قُدار بن سالف" اُٹھ کھڑا ہوا، تاکہ کونچیں کاٹ دے، اور دوسروں نے اسے نہیں روکا، تو اس لیے "قُدار" بدبختی اور بغاوت میں ہرعام و خاص کے لیے مثال بن گیا، لوگ آپس میں کہتے تھے: "فلاں قدار سے بھی زیادہ بدبخت ہے"۔

جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث میں ہے:

۱- يَا أَبَاتُرَابٍ! أَلَا أُحَدِّثُكُمَا بِأَشْقَى النَّاسِ رَجُلَيْنِ؟ قُلْنَا: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: أُحَيْمِرُ ثَمُودَ الَّذِي عَقَرَ النَّاقَةَ، وَالَّذِي يَضْرِبُكَ عَلَى هَذِهِ (يَعْنِي قَرْنَ عَلِيٍّ)، حَتَّى تَبْتَلَّ هٰذِهِ مِنْهُ الدَّمُ، يَعْنِي لِحْيَتَهُ (المستدرک حاکم: 4679) و (مسند احمد: 18321) و(السنن الکبری نسایی:

(c) ketabton.com: The Digital Library

8485) و (السلسلة الصحیحة:1743) ترجمہ: " اے ابو تراب! (یعنی مٹی والے): کیا میں تمہارے لیے دو بدبخت ترین مردوں کی نشاندہی نہ کروں؟ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احَیْمِر ثمودی، جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں اور وہ آدمی جو (اے علی!) تیرے سر پر مارے گا، حتی کہ تیری (داڑھی) خون سے بھیگ جائے گی"

۲- أَشْقَى الْأَوَّلِينَ عَاقِرُ النَاقَةِ، وَأَشْقَى الْآخِرِينَ الَّذِي يَطْعَنُكَ يَا عَلِي وَأَشَارَ إِلَى حَيْثُ يَطْعَنُ (المعجم الکبیر طبرانی: 7311) و(مسند ابویعلی موصلی: 485) و(مسند بزار: 1424) و (السلسلة الصحیحة: 1088) ترجمہ: "پہلے لوگوں میں سے بدبخت ترین شخص وہ تھا جس نے ناقہ صالح کو قتل کیا، اور بعد کے لوگوں میں سے بدبخت ترین آدمی تیرا قاتل ہے اور اس طرف اشارہ کیا جہاں وہ مارے گا۔"

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿١٣﴾	تو ان سے اللہ کے رسول نے کہا اللہ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری (کا خیال رکھو) (۱۳)

پیغمبرِ خدا صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تنبیہ کرتے ہوئے ان سے کہا: اس اونٹنی کو قتل کرنے اور کونچیں کاٹنے سے گریز کرو جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک عظیم معجزہ اور نشانی قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو جس کے دودھ سے تم پیتے اس دودھ کا بدلہ ا س کے قتل کی صورت میں نہ دو اس سےچھیڑچھاڑ مت کرو۔

صالح علیہ السلام نے ان میں پوری وضاحت کےساتھ اعلان کیا: اس اللہ کی اونٹنی کے ساتھ کام نہیں رکھو، اس کی باری پر اسےچشمے سے پانی سے پینے مت روکو ۔

"نَاقَةَ اللهِ": اللہ کی اونٹنی، (مراجعہ فرمائیں: سورہ اعراف:۷۳ اور ۷۷، سورہ هود:۶۴، سورہ اسراء:۵۹، سورہ قمر:۲۷) ایک تنبیہ ہے، اور نا قَہ کا لفظ مفعولٌ بہ ہے"إِحْذَرُوا" فعل محذوف کا۔

"سُقْيَا" اس کے پانی پینے کی باری (مراجعہ فرمائیں: سورہ شعراء: آیت : ۱۵۵)

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۠ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿١٤﴾	مگرانہونے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو خدا نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور سب کو (ہلاک کرکے) برابر کردیا

انہوں نے اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو جھٹلایا، اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور قتل کیا، تو خدا نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کردیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور عذاب نے ان سب کو ڈھانپ لیا ان کے سر کے اوپر سے ان پر موت منڈلانے لگی، زلزلے نے انہیں نیچے سے گھیر لیا تو وہ بے ہوش ہوکر زمین پر گِر پڑے۔

واضح رہے کہ: جو شخص دوسرے کے گناہ پر راضی ہوتا ہے اسے شریک جرم تصور کیا جائے گا۔

ہم نے دیکھا کہ: ایک بندے نے اونٹنی کو مارا لیکن قرآن کریم فرماتا ہے کہ ان میں سے ایک جماعت نے اسے قتل کیا۔

"دَمْدَمَ عَلَيْهِمْ" ان پر غضب کیا، سب پر عذاب مسلط کیا، ان کو کچل کر روند ڈالا، انہیں ہلاک اور نیست و نابود کیا۔

مفسر خازن فرماتے ہیں:"الدمدمة" یعنی انہیں نابود کیا اور جڑ سے اُکھاڑا، یعنی ان پر ایسا عذاب مسلط کردیا کہ ان میں سے کوئی بھی نہیں بچا ۔

"سَوّٰىهَا" ان کو مٹی میں ملادیا، یعنی قبیلے کے تمام افراد کو ایک جیسا عذاب دیا، چھوٹے بڑے، مالدار اور غریب میں سے کوئی بھی نجات نہیں پاسکا ۔

اس کا معنی یہ ہے کہ: زمین ان پر ہموار کردی اور ان کو مٹی میں ملا کر یکساں کردیا، عذاب اور ہلاکت میں یکساں طور پر ان کو مبتلاکرکے ان کوختم کردیا۔

"فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ...فَسَوَّاهَا" ان کے گناہ کے سبب ان سب پر عذاب نازل کردیا اور انہیں نیست و نابود کردیا۔

حضرت صالح کی اونٹنی کا واقعہ

حضرت صالح علیہ السلام کا نام قرآن مجید میں گیارہ مرتبہ ذکر کیا گیا ہے، حضرت صالح علیہ السلام حضرت نوح اور حضرت ھود علیہما السلام کے بعد تیسرے پیغمبر ہیں جو پوری قوت اور طاقت کے ساتھ بت پرستی اور طاغوت کے خلاف اپنے زمانے میں اٹھ کھڑےہوئے، اور کئی سال تک ان کے خلاف مسلسل جنگ کی۔

حضرت صالح علیہ السلام کا واقعہ قرآن کریم کی دس سورتوں اور مجموعی طورپر سڑسٹھ "۶۷" آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت صالح قبیلہ ثمود میں سے ہیں اور یہ قبیلہ حضرت نوح کے بیٹے "سام" کی اولاد میں سے ہے، حضرت صالح علیہ السلام خدا کی طرف سے قوم ثمود کی ہدایت کے لیے بھیجے گیے تھے، ثمود کی قوم حجاز اور شام کے درمیان ایک پہاڑی علاقے میں آباد تھی ۔

ثمود بہت زیادہ مالدار، باغوں اور وسیع و عریض زرخیز زمینوں کے مالک تھے، دنیاوی زندگی بسر کرنے کے لیے کافی علاقے ان کے پاس تھے، وہ دنیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

کی زندگی سے بے حد دلچسپی رکھتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ خوشحال زندگی گزارنے والے تھے جبکہ مذہبی طور پر بت پرست تھے۔

ان کی ہدایت کے لیے، خدا نے صالح نامی ایک پیغمبر ان کے خاندان اور قبیلے سے پیدا کیا ۔

خدا کی عبادت کی دعوت

حضرت صالح نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اس اکیلے خدا کی عبادت کرو کہ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے، خدا نے تمہیں قوم عاد کے بعد ان کا جانشین بنایا، تاکہ ان سے اور ان کے انجام سے عبرت حاصل کرو، اس لیے کہ جس عذاب کے ذریعے انہیں ہلاک کیا کہیں تم بھی اس میں گرفتار نہ ہوجاؤ، جی ہاں ! قوم ثمود نےبھی پچھلی اقوام کی طرح پیغمبر کی بات سننے کے بجائے ان پر جھوٹی تہمتیں لگائیں اور بُری باتیں کیں۔

وہ کہتے تھے: کیا ہم اپنے جیسے انسان کی تابع داری کریں؟ ہم میں سے صرف اس پر کیوں وحی اُترتی ہے؟

قوم ثمود کے بت پرستوں نے جب حضرت صالح علیہ السلام کی ثابت قدمی دیکھی تو ان سے ایک معجزہ کا مطالبہ کیا، اس معجزے کے طلب کرنے سے وہ چاہ رہے تھے کہ حضرت صالح عاجز آجائے تاکہ ہمیشہ کے لیے اس سے اور اس کی باتوں سے جان چھڑائیں۔

خدا نے حضرت صالح پر وحی بھیج کر فرمایا کہ ہم ان کی آزمائش کے لیے اونٹنی بھیج دیں گے، ایسی اونٹنی جو پہاڑی کے دل سے نکلے گی بغیر نر اور مادہ کے ملاپ کے پیدا ہوجائے گی، ایک دن لوگ اس علاقے کے چشمے سے پانی پئیں گے اور دوسرے دن اونٹنی۔

حضرت صالح نے اپنی قوم کو معجزہ دکھایا اور لوگوں کو اس کے متعلق ضروری احکام صادر فرمائے ۔

حضرت صالح نے اپنی قوم سے فرمایا : اس اونٹنی کے آگے رکاوٹ نہ بنیں، چھوڑ دیں اس کو چرتی رہے، اگر کسی نے اسے تکلیف پہنچائی تو دردناک عذاب سے دوچار ہوجائیگا، ایک دن آپ لوگ اس علاقے کے کنویں سے پانی بھریں اور مویشیوں کو بھی پلائیں، اور ایک دن اس اونٹنی کو پینے دیاکریں ۔

اس طرح کچھ عرصہ گزر گیا یہاں تک کہ یہ مسئلہ ان کافروں اور مشرکوں پر بھاری ہوگیا اور انہوں نے اسے پانی سے اپنی محرومی کا سبب بھی سمجھا اور اپنی ذلت کا سبب بھی، پھر قوم ثمود کے بڑے اور مالدار لوگوں نے باہمی مشاورت شروع کی، اس اونٹنی کو مارنے کا فیصلہ کرلیا، اس کے لیے انہوں نے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا جو سب سے زیادہ شریر اور بدکار تھا، اس کام کو انجام دینے کے لیے قدارہ ابن سالف یا قذار ابن سالف جو ایک بے رحم آدمی تھا منتخب کیا اور اسے ضروری احکامات دیے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

ایک دن اونٹنی کے پانی پینے کی باری تھی وہ آدمی اونٹنی پر حملہ آور ہوا اور اسے قتل کردیا، حضرت صالح علیہ السلام کو جب اس با ت کی اطلاع ملی ، تو انہوں نے قوم سے کہا: میں نے تم لوگوں سے نہیں کہا تھا کہ اس اونٹنی کو تکلیف اور اذیت نہ پہنچاؤ ؟

اب بہت مختصر مدت میں اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوجاؤ گے، قوم ثمود پر جو عذاب خدا نے بھیجا وہ حیرت انگیز اور خوفناک تھا، عذاب تب نازل ہوا جب سب نیند میں تھے، کہ اچانک شدید زلزلہ نے اس علاقے کو ہلا دیا وہ نیند سے اُٹھ گئے لیکن ان کو گھروں سے نکلنے کی فرصت نہیں ملی ، کیونکہ ایک شدید کڑک اور خوفناک آواز گونجنے لگی، ایک طرف زلزلہ اور دوسری طرف آسمانی بجلی نے انہیں فیصلہ کرنے کا موقع نہیں دیا، اگلے دن اگر کوئی اس علاقے میں آتا تو وہ تصور نہیں کرسکتا تھا کہ یہاں کبھی لوگ رہتے تھے اور کوئی گھر بھی تھا، کیونکہ نہ لوگوں کے کوئی آثار تھے اور نہ گھروں کے، لیکن حضرت صالح علیہ السلام اور اللہ کے معجزہ پر ایمان لانے والوں کو نجات ملی اورزندہ محفوظ رہے۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا۟ ۝١٥	اور وہ اس (سزاء) کے انجام سے نہیں ڈرتا (۱۵)

یعنی پروردگار نے اس عذاب کو نازل کیا، اپنے کام کے خاتمے اور اس کے نتائج سے ڈرے بغیر کیونکہ وہ اپنے فیصلوں میں عادل ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ: عظیم پروردگار ہر چیز پر غالب ہے، اور وہ ظالموں اور حد سے تجاوز کرنے والوں کو تباہ کرنے کی پرواہ نہیں کرتا۔

ابن کثیر اس قول راجح اور اولٰی سمجھتے ہیں، لیکن دوسرا قول ہے جس میں "ھا "کی ضمیر کونچیں کاٹنے والے کے عمل کی طرف راجع ہے یعنی: اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا اپنے عمل کے نتائج سے نہیں ڈرا۔

زمحشری پہلے معنی کی تائید میں فرماتے ہیں: خدا تعالیٰ اپنے کام کے نتائج سے نہیں ڈرتا، جیسا کہ اگربادشاہ لوگ اپنے منصوبوں کے انجام سے ڈرنے لگیں یا کسی کو سزاء دینے سے ڈرنا شروع کریں تو کبھی کسی کو سزاء نہیں دے سکیں گے ۔

"لَا يَخَافُ" نہیں ڈرتا ۔

۱- اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب دینے کے نتائج سے نہیں ڈرتا کہ کوئی کچھ کہے گا یا کچھ کرے گا۔

۲- اللہ تعالیٰ عذاب دینے کے انجام سے پشیمان نہیں ہوتا، اور اپنے کام کے نتائج "ان کے ہلاکت اور بربادی" سے وہ خوف زدہ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ سب کا پروردگار، سب کا مالک، قاہر اور قادر ہے، اور وہ اپنے بندوں سے بہت اوپر

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور افضل ہے، غالب اور حکمت والا بھی ہے، حکیم ذات اپنے علم اور حکمت کی بنیاد پر سزاء دیتا ہے، چنانچہ اس کے پشیمانی کی کوئی وجہ نہیں ہوتی، کیونکہ ان کو پہلے تنبیہ کی گئی تھی لیکن انہوں نے اسے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔

قرآن میں قسم

قرآن عظیم جوکہ انسانی رہنمائی کی کتاب ہے، انسانوں کی تعلیم کے لیے کئی طریقوں کو مدنظر رکھتا ہے، حلف (قسم) کا استعمال بھی ان تربیتی طریقوں میں سے ایک ہے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ قسم کھانا لوگوں میں ایک عام چیز ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنے مذہب اور رسم و رواج کے مطابق قسم کھاتا ہے تاکہ کسی بات پر یقین دلایا جائے یاتاکید پیدا کی جائے یا سامعین کی توجہ زیر بحث نکتے کی طرف مبذول کروائی جائے ۔

"قَسَم" لغت میں حصہ، حصہ کرنا، اور "قِسْم" فائدہ اُٹھانے کے معنی میں ہے، (ابن منظور، محمد بن مکر، لسان العرب، بیروت، دار صادر، 1414ق، ج12، ص478)

اور "قَسَم" اصل میں "قَسامه" سے ہے، (وہ قسم جو مقتول کے ورثاء کو کھلائی جائے) حسن و جمال کے معنی میں بھی ہے، یہ لفظ فقہی اور قرآنی اصطلاحات میں "حلف" کے لیے بطور اسم استعمال ہوا ہے۔

اس کا نام قسم رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ "قسم "کھانے والا چاہے کسی بھی حیثیت میں ہو اس چیز کی خوبصورتی سے فائدہ اٹھاتا ہے جس کی وہ قسم کھاتا ہے، (راغب اصفهانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، بیروت، دارلعلم الدار الشامیة، 1412ق، چاپ اول، صفحه 670)

"یمین" کو قسم کے معنی میں اس لیے لیا گیا ہے کہ عرب کے لوگ عہد اور معاہدہ کرتے وقت اور قسم کھاتے وقت آپس میں سیدھے ہاتھ کو مضبوط پکڑ کر دباتے تھے، اس لیے مجازاً اسے "یمین" کہا گیا یمین کا لفظی معنی ہے دایاں (قرشي، سید علياکبر؛ قاموس قرآن، تهران، دارالکتب الاسلامیه، 1384ش، چاپ چهاردهم، جلد 7، صفحه 273)

قرآنی قسموں کی اقسام:

قرآن میں اقسام کی جو قسمیں بیان کی گئی ہیں ان کی درجہ بندی علماء نے درج ذیل انداز میں کی ہے:

خدا نے قرآن میں اپنی ذات کے علاوہ کئی مخلوقات پر بھی قسم کھائی ہے کہ قرآن میں ایک نظر ڈال کر دیکھ لیں تو درج ذیل چیزوں کی قسم نظرآتی ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

(۱) اپنی ذات کی قسم کھانا

ہمارے عظیم رب نے دس (۱۰) بار لفظ " اللہ" کی قسم کھائی ہے جیسے "تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ" (سورہ نحل آیت:۵۶) اور چھ مرتبہ لفظ "رب" کی قسم کھائی ہے۔

(۲) فرشتوں کی قسم

"وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝۱ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝… فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝۵" (سورہ نازعات آیات: ۵-۱)

پیغمبر کی عمر کی قسم! "لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۷۲" (سورہ حجر آیہ ۷۲)

(۳) قرآن مجید کی قسم

"يٰسٓ ۝۱ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝۲" (سورہ یس ۱ و ۲)

(۴) قیامت کی قسم

"والیوم الموعود" (سورہ بروج آیہ ۲)

(۵) تخلیق کے مظاہر کی قسم

جیسا کہ: سورج، ستارے، زمین، چاند، ہوا، بادل، سمندر، کشتی، انجیر اور زیتون کی قسم کھانا، مراجعہ کیا جائے: (سورہ طارق آیت ۴، سورہ شمس آیت ۱، سورہ تکویر آیت ۱۵، سورہ شمس آیت ۶، سورہ انشقاق آیہ 18، سورہ ذاریات آیہ 1 و 2، سورہ طور آیہ 6، سورہ ذاریات آیہ 3، سورہ تین آیہ 1)

(۶) مختلف وقتوں کی قسم

صبح صادق، چاشت، عصر، غروب آفتاب، دن اور رات، مراجعہ کیا جائے: (سورہ فجر آیہ1، سورہ شمس آیہ 1، سورہ عصر آیہ 1، سورہ انشقاق آیہ 17، سورہ شمس آیہ 4، سورہ تکویر آیہ 17)

(۷) مقدس اماکن کی قسم

جیسے مکہ، کوہ طور، بیت المعمور، مراجعہ فرمائیں سورہ: (بلد آیت: ۱ و ۳)

(۸) دیگر اشاء کی قسم مثلا

انسانی ضمیر کی قسم، قلم اور تحریر، لڑنے والے انسان کی، جفت اور طاق کی، رجوع فرمائیں:(سورہ شمس آیہ 17، سورہ قیامت آیہ 2، سورہ قلم آیہ 1، سورہ عادیات آیہ 1تا 5، سورہ فجر آیہ 3)

قسم کی وجوہات:

البتہ یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن کی قسمیں یا تو ایسی چیز کے بارے میں ہیں جن پر انسان کا اعتقاد ضروری ہے جیسے: خدا کی وحدانیت، قیامت کے وقوع پزیر ہونے، انبیاء کے مبعوث ہونے، پیغمبر اسلام کی نبوت اور خدا کے وعدے کی سچائی پر قسم کھانا، یا انسان کی حالتوں اور مزاجوں پر تاکید کرنا ہے،

(c) ketabton.com: The Digital Library

جیسے انسان کو بہترین شکل میں تخلیق کرنے کی تاکید، انسان کو مصائب اور مشکلات میں پیدا کرنا، انسان کے لیے محافظوں اور نگرانوں کا وجود، انسان کے زیاں کار ہونے کا ذکر کیا۔

خدا کی قسم اور انسان کی قسم میں فرق

مفسرین اس بارے میں لکھتے ہیں: خدا کی قسموں اور لوگوں کے درمیان روایتی قسموں کے درمیان فرق نے ذیل کے نکات نمایاں کیے ہیں:

۱- لوگ عام طور پر ان چیزوں کی قسم کھاتے ہیں جنہیں وہ مقدس یا بہت عزیز سمجھتے ہیں، ان سب کے بارے میں وہ جھوٹ بولنے پر پکڑ میں آنے یا نقصان اٹھانے سے ڈرتے ہیں۔

۲- لوگوں کی قسم کا اصل مقصد کچھ ثابت کرنا ہوتا ہے، جب بات کرنے والے کو یہ اندیشہ ہو کہ سننے والے اس کی باتوں پر یقین نہیں کریں گے تو وہ قسم کھا کر انہیں یقین دلانے اور ان کا شک دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، قرآن کی قسموں میں ایساکچھ نہیں ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ کسی سے یا کسی چیز سے نہیں ڈرتا، نہ اسے کسی کو یقین دلانے کے لیے قسم کی ضرورت پڑتی ہے اس لیے کہ خدا کے کلام کے متعلق مؤمن کو یقین دلانے کےلیے قسم کی ضرورت نہیں ہے، جبکہ منکر اور کافر کے لیے قسم کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

خدا کی قسمیں کیوں:

خدا کی قسموں کا ایک فلسفہ اس چیز کی اہمیت کو بیان کرنا ہے جس کی قسم کھائی ہے، خدا کی قسموں کا دوسرا فلسفہ ان مخلوقات کی اہمیت اور قدر کا اظہارہے جس کی اس نے قسم کھائی ہے۔

قرآن کی مجموعی قسموں میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک کے بارے میں ذکر کیا ہے، جوکہ سورہ شمس کی ابتدائی آیات ہیں اور چار مواقع میں پانچ قسم کی قسمیں موجود ہیں، اور دوسرے مواقع پر چار قسم کی قسمیں پائی جاتی ہیں، تین قسمیں چھ مواقع پر اور دو قسم کی قسمیں پانچ مقامات پر ذکر ہوئی ہیں۔ اور متفرد یعنی ایک قَسم سولہ مرتبہ آئی ہے یہ تعداد سب سے زیادہ ہے ۔

سورہ شمس کی قسموں کی گیارہ قسمیں اور تزکیہ نفس

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں گیارہ قسمیں یاد کی ہیں، ان میں سے چار قسمیں دو بار آئی ہیں، اور تین مواقع پر منفرد آئی ہیں پہلے چار مورد درج ذیل ہیں۔

۱- وَالشَّمۡسِ وَضُحٰىهَا ۝١: قسم ہے سورج اور اس کے چمک کی: اس آیت میں سورج اور اس کی روشنی دونوں کی قسم کھائی گئی ہے۔

۲- وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝٥: قسم ہے آسمان کی اور اس کی جس نے اس بلند و بالا عمارت کو بنایا ہے۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

۳- وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا۝۶:قسم ہے زمین کی اور خدا کی جس نے اسے پھیلایا ہے۔

۴- وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا۝۷: انسان کی اور اس کے پیدا کرنے والے کی قسم۔

مندرجہ بالا چار مقامات میں کل آٹھ قسمیں موجود ہیں۔

لیکن تین مواقع جو کہ منفرد ہیں:

۱- وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا۝۲: چاند کی قسم جب سورج کے بعد نکلے۔

۲- وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا۝۳: قسم ہے دن کی جب اس کی کرنیں زمین کو منور کردیں۔

۳- وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا۝۴: قسم ہے رات کی جب اس کی تاریکی ساری زمین کو ڈھانپ لے۔

عالم کو روشن کرنے والا سورج

سورج اور اس کی روشنی کی عظمت و اہمیت کے بارے میں، جس کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی تھی، وہ معلومات جن کی قرآن کے نزول کے وقت کسی کو خبر نہیں تھی:

الف: سورج کی چمکیلی عظمت۔

ب: سورج کا وزن۔

ج: سورج کا درجۂ حرارت۔

د: سورج کے شعلے ۔

ھ: سورج کی کشش ۔

سورج کی روشنی کے اثرات اور راز

۱- سب کچھ سورج کی روشنی پر منحصر ہے۔

۲-سورج کی روشنی سے غذائی اجناس کا پرورش پانا اور ان کا پختہ ہونا پکنا۔

۳-بارشیں اور سورج کی روشنی۔

۴-سورج کی روشنی اور ہوا کے درمیان تعلق۔

۵-سورج خوبصورتی کا منبع اور ذریعہ۔

۶-سورج کی روشنی توانائی کا مرکز۔

چاند کی قسم

الف: چاند کا حجم۔

ب: چاند کا وزن۔

ج: چاند پر زندگی۔

د: چاند کی حرکت۔

ھ: چاند تک ہمارا فاصلہ۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

و: دن رات اور چاند۔

چاند کی برکتوں کا ایک گوشہ

۱- چاند، قدرتی تقویم (کیلندر)

۲- اصل مقصد یہاں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ روح کی اصلاح اور تہذیب کے سبق کے ضمن میں (سورہ شمس کی گیارہ قسمیں کھاکر) توحید اور خدا کی معرفت کا سبق بھی دیتا ہے اور یہ ہمیں وجود کے آفاقی فضل کے ماخذ اور اسباب کی وجہ کا احساس دلاتا ہے، تاکہ ہم اس کو زیادہ سے زیادہ پہچان کر کمال کے اعلیٰ درجات تک پہنچ سکیں۔

انسان کی روح کی قَسم

"وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا" اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں انسان کی روح اور اس کی ذات کی قسم کھائی ہے جس نے اسے پیدا کیا اور معتدل بنایا، اور آگے اس نکتے کا ذکر کرتے ہیں کہ انسان کی روح کی پیدائش پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے اس کی اچھائی اور بُرائی کی بھی تعلیم دی یعنی سعادت کے اسباب کو بھی اس کے دست رس میں رکھا اور بدبختی، شقاوت کے عوامل کی بھی اسے پہچان کروائی ۔

بالفاظ دیگر: انسان کو راستہ اور کھائی دونوں دکھادیے ۔

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا" گیارہ قسمیں اس نکتے کی بڑی اہمیت کو بیان کرتی ہیں کہ: جس نے اپنی نفس کا تزکیہ اور آبیاری کی وہ کامیاب ہوگیا، اور جس نے اپنی روح کو گناہ سے آلودہ کیا وہ نا امید اور محروم ہوگیا۔

سعادت کیا ہے؟

(۱) سعادت کا تصور۔

(۲) اس کی اصطلاحی معنی ۔

(۳) سعادت کے بارے میں ہماری سمجھ۔

انسانی معاشرے یعنی ہم انسانوں کی زندگیوں میں سعادت ایک اہم اور مرکزی موضوع ہے، انسانی زندگی کا ایک اہم سوال یہ ہے کہ اسے کیسےپتہ چلے گا کہ خوشی کیا ہے؟ سعید اور خوشبخت کون ہے؟ حقیقی سعادت اور خوشی کیا ہے؟ اور انسان حقیقی سعادت کیسے حاصل کرسکتا ہے؟ ان سوالات کے درست اور منطقی جواب تلاش کرنا ہمارے بہت سے مسائل کا یقینی حل ہوسکتا ہے، اس کے مفردات یعنی ہر ایک جواب کو معلوم ہونا یا کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے، ہر قوم کی ثقافت کے لحاظ سے، سعادت کی صورت الگ ہوتی ہے، حتی کہ ہر انسان کی ثقافت میں مختلف مفہوم اور تعریفیں رکھی گئی ہیں، ہر انسانی گروہ اور فرقے نے سعادت کی تعریف اپنی خصوصیات

(c) ketabton.com: The Digital Library

اور ذوق کے مطابق کی ہے اور اس کےمفہوم کے بارے میں اپنی الگ سمجھ ہے۔
لفظ "سعادت" یا" خوشبختی" کا لغت میں علماء نے ترجمہ"سعادت اور خوشی" کا کیا ہے، علماء سعادت کی تعریف میں کہتے ہیں: سعادت مختلف مادی اور روحانی قوتوں کا صحیح ، بھرپور اور جائز استعمال ہے وہ قوتیں جو خدا نے انسان کے قبضے اور صوابدید میں رکھی ہیں۔
اس مفہوم کو قرآن عظیم نے اپنی خاص خوبصورتی کے ساتھ اس طرح متعارف کرایا ہے:"وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا۪ۙ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۪ۙ۝۸ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا۪ۙ۝۹ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۝۱۰" آیات مبارکہ کے مفہوم سے واضح ہے کہ: انسان کی کامیابی کا دارو مدار نفس کے تزکیہ پر ہے اور "فلاح" وہی سعادت اور نفس انسانی کی تکمیل ہے کہ انسان کےلیے مشکلات کا سبب ہے، "فوز" وہ مطلوب ذاتی ہے جسے"سعادت" کہا گیا ہے۔
اگر ہم انسانی تخلیق کی حکمت اور فلسفہ کا جائزہ لیں تو ہمیں واضح طور پر سمجھ آجائے گا کہ دنیا کی تخلیق کا مقصد انسان کو کمال فضیلت اورسب سے اعلیٰ ترین کمال انسانی تک پہنچانا ہے، اس منطق کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان فطرتاً کمال کی جستجو کرنے والی مخلوق اور سعادت کا طالب پیدا کیا گیا ہے، اس لیے تمام انسانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی گمشدہ سعادت تک پہنچنے کی کوشش کریں ۔
اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انسان سعادت کی بلندی تک پہنچنے کے لیے مختلف راستے اور ذرائع تجویز اور مہیا کرتا ہے۔
کچھ لوگ ظاہری لذت تک رسائی کو خوشی اور سعادت کا مقصود سمجھتے ہیں اور بعض دوسرے لوگ باطنی لذتوں کو خوشی اور سعادت کا مطلوب سمجھتے ہیں۔
ابن سینا نے سعادت کا معنی کیاہے یک جہت اور ہم آہنگ انداز میں انسانی صلاحیتوں کا نشوونما جو انسان کو کمال کی طرف لے جاتا ہے، (رساله سيماي خوشبختي، نوشته حميد رسائي، صفحه ۱۷)
اسی طرح علماء کہتے ہیں کہ دو خصوصیات(سعادت اور شقاوت) میں سے ہر ایک کا اپنا مخصوص معنی ہے۔
مثال کے طور پر: "روح" کی اپنی خاص سعادت اور شقاوت ہے، اور "جسم "کی اپنی خاص سعادت اور شقاوت ہے، اس منطق کے مطابق قرآن عظیم نے انسان کو جسم اور روح کے مرکب کے طور پر متعارف کرایا ہے، ابدی روح اور بدلتا جسم۔
اس بناء پر جن چیزوں کا تعلق صرف انسان کی "روح" کی سعادت سے ہے،

(c) ketabton.com: The Digital Library

جیسے: علم، تقوی اور اس کی امثال، انسانی سعادت سمجھی جاتی ہیں، اسی طرح جن چیزوں میں روح اور جسم دونوں کی سعادت شامل ہے، وہ بھی انسان کی سعادت میں شمار ہوتی ہیں جیسے: مال اور اولاد کی نعمت، بشرطیکہ اس سے بندہ خدا کی یاد کو فراموش نہ کرے اور دنیاوی زندگی کی طرف زیادہ مائل نہ ہو، نیز انسانی سعادت وہ چیزہے جو جسم سختی اور پریشانی کا باعث بنتی ہے، لیکن روح کے لیے سعادت سمجھی جاتی ہے، جیسے: خدا کی راہ میں جسمانی مشقتیں برداشت کرنا، اور مال خرچ کرنا۔

تاہم وہ چیزیں جو روح میں شقاوت اور تکلیف کا باعث بنتی ہیں، اگرچہ وہ جسمانی سعادت کا باعث ہی کیوں نہ ہوں ان میں کسی قسم کی سعادت نہیں ہے، جیسے وہ دنیاوی جسمانی آسائشیں جو ناجائز اور حرام ذرائع سے حاصل کی جائیں اگرچہ وہ جسمانی لحاظ سے سعادت نظر آتی ہیں مگرچونکہ وہ خدا کی یاد بھول جانے کا باعث بنتی ہیں، لہٰذا خدا نے اس قسم کی لذت اور نام نہاد ناجائز جسمانی سعادت کو انسان کے لیے عذاب قرار دیاہے۔

اسلام کا مقدس دین لوگوں کو متنبہ کرتا ہے کہ زندگی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنے آپ کو دنیاوی آسائشوں تک محدود رکھا جائے، بلکہ دائمی اور ابدی زندگی بھی دکھوں اور آسائشوں کے ساتھ چل رہی ہے جو انسانوں کے اعمال کے مطابق ہوگی، اب یہ انسان پر منحصرہے کہ وہ عارضی اور فانی زندگی کی سعادت کا انتخاب کرتا ہے یا ابدی زندگی کی سعادت کا ۔

اس سلسلے میں دین اسلام اعتدال کا خیال رکھتا ہے، اور مادی اور روحانی آسائشوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے بہت اعلیٰ انسانی حدود و قیود متعین کرتاہے، جن کی پیروی کرنے سے جو اس دین کی فطرت ہے کہ یہ دنیا اور آخرت کا دین ہے رہنمائی کرتا اور ہدایت بخشتا ہے، ان اصولوں پر عمل کرنے سے دنیا اور آخرت دونوں میں فلاح اور کامیابی نصیب ہوگی۔

یہ بات یقینی ہے کہ سعادت اور خوشی ان انسانوں اور انسانی معاشروں سے تعلق رکھتی ہے جن میں ذہنی سکون زیادہ ہوتا ہے، وہ اشخاص جو سعادت اور خوشی کو دنیوی مال رکھنے میں سمجھتے ہیں تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ: مال، جائیداد اور اقتدار کسی بھی طرح خوشی کا ذریعہ نہیں ہیں، کیونکہ مال و دولت خوشحالی لاتی ہے لیکن ضروری نہیں ہے کہ آرام اور راحت بخش بھی ہو۔

ایک انگریز دانشور کہتا ہے: عقلمند لوگوں کے لیے دولت پریشانی اور بدبختی کا ایک سبب ہے، اہم بات یہ ہے کہ ہمیں اپنے مال کا مالک بننے کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ اس کا غلام، ہمیں اپنے نفس کا امیر بننا چاہیے، نہ کہ نفس کے اسیر۔

جو لوگ دولت اور طاقت میں گرفتار ہوکر ہمیشہ اپنے آپ کو اس کا اسیر بنا

(c) ketabton.com: The Digital Library

چکے ہیں وہ مسلسل یہ سوچتے رہتے ہیں کہ ایسا نہ ہوکہ حوادث کی کشمکش میں وہ اپنی دولت اور جائیداد سے ہاتھ دو بیٹھیں، وہ ہر وقت اسی سوچ میں ڈوبے رہتے ہیں، معلوم ہونا چاہیے کہ ایسے لوگوں کو کوئی خوشی نہیں ملے گی، غور کرنا چاہیے اور جان لینا چاہیے کہ کفن میں جیب نہیں ہوتی (بلکہ یہ بھی نہیں پتہ کہ کفن بھی نصیب ہوتاہے یا نہیں)

انسان حقیقی سعادت تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟

۱- اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا:

سب سے پہلی چیز جس کے ذریعے انسان حقیقی سعادت تک پہنچ سکتا ہے وہ پروردگار کی رضاحاصل کرنا ہے، قرآن عظیم سورہ عصر میں ان لوگوں کو نقصان سے مستثنیٰ قرار دیتا ہے جو مؤمن اور نیک اعمال والے ہیں، قرآن کریم پوری وضاحت سے بیان کرتا ہے: نیک اور مؤمن انسان لازمی طور پر فلاح اور کامیابی حاصل کریں گے۔

(إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ) اخلاقیات کے علمبردار کہتے ہیں کہ خوش نصیب وہ ہے جس کی زندگی خوشگوار ہو، اس لیے کہ خدا کی مرضی کے بغیر خوشگور زندگی نہیں مل سکتی۔

۲- تقویٰ اور پرہیز گاری:

حقیقی سعادت اور خوشی حاصل کرنے کا دوسرا ذریعہ قرآن عظیم میں سورہ شمس کی آیت نمبر ۹ میں گیارہ قسموں کے بعد بیان کیا گیا ہے: سعادت اور نجات ان لوگوں کے لیے ہے جو ہرقسم کی ناپاکی سے پاک ہوجاتے ہیں، اور بد نصیب وہ شخص ہےجو ناپاکی میں ملوث ہوجاتاہے، آسمانی کتابوں اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء کے بھیجنے کی ایک وجہ کا خلاصہ اس مفہوم میں ہے، انبیاء آئے ہیں تاکہ ہم انسانوں کو زندگی گزارنے اور ابدی سعادت مند زندگی تک پہنچنے کا راستہ دکھائیں، خدا کے پیغمبر انسانوں کو نیکی اور سعادت کا راستہ سکھائیں ، انبیاء کی رسالت کا ایک مقصد لوگوں کو سعادت مند زندگی میں داخل ہونے کے راستے، خوشبختی، نیکی اور نیک عمل، سچائی اور راست بازی، اخلاقی طاقت، خیر خواہی اور مہربانی سکھانا ہے۔

۳- پروردگار کی یاد:

سب سے اہم چیز جو انسانی روح کو سکون اور خوشی پہنچانے کا سبب بنتی ہے وہ خدا کی یادہے، قرآن کریم نے سورہ رعد آیت: ۲۸ میں ذکر الٰہی کو روح کی خوشی اور سکون کے لیے سب سے اہم عنصرقرار دیاہے: (الا بذکر اللہ تطمئن القلوب) ترجمہ: "اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو سکون ملتا ہے" جبکہ اللہ کے ذکر سے منہ موڑنے کو تنگدستی اور مصائب کا سبب قرار دیا

(c) ketabton.com: The Digital Library

ہے اور فرمایا: (وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۱۲۴○)
(سورہ طٰہٰ آیت: ۱۲۴) ترجمہ: "اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا اس کے لیے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی"
یاد رکھنا چاہیے کہ خوشبختی کا راز صرف خدا پر ایمان کی روشنی میں مضمر ہے اور بس، وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ خوشی صرف مال و دولت جمع کرنے تک محدود ہے ان کا یہ خیال غلط ہے۔
تجربے سے ثابت ہے کہ بے تحاشا مال و دولت کسی شخص کے لیے کبھی خوشی نہیں لایا، اکثر و بیشتر مواقع پریہی مال و دولت انسانوں کے لیے بہت سی آفات اور بدبختی کا باعث بنتی ہے۔

۴- عمل صالح:

قرآن کریم نے اعمال صالحہ جیسے کہ الله کی راہ میں جہاد، نیکی کا حکم، برائی سے روکنا، الله کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا اور توبہ کو انسانوں کے لیے خوشگوار زندگی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

۵- علماء کرام اور نیک لوگوں سے میل جول اور ملاقاتیں:

شرعی اور دینی رہنمائی یہ ہے کہ: سب سے زیادہ خوش نصیب وہ لوگ ہیں جن کی صحبت اور ہمنشینی علماء کرام اور نیک لوگوں کے ساتھ ہو۔

۶- صالح اور نیک اولاد کا ہونا:

نیک عورت اور شائستہ گھر؛ یہ ان عوامل میں سے ہے جو انسان کو حقیقی خوشی تک پہنچاتے ہیں۔
حدیث شریف میں پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی الله علیہ وسلم سے روایت ہے فرماتے ہیں: (من سعادة المرء المسلم الزوجة الصالحة والمسكن الواسع والمركب الهنيء والولد الصالح)ترجمہ:"ایک مسلمان شخص کی نعمتوں میں سے ایک نیک بیوی، ایک کشادہ گھر، بہترین سواری اور قابل اولاد ہیں۔"

محترم قارئین

خوشگوار اور بہتر زندگی کے حصول کے لیے میرا مخلصانہ، دوستانہ اور برادرانہ مشورہ یہ ہے کہ: خود سے گناہ نہ کرنے کا عہد کریں، مجھے یقین ہے کہ ہم گناہ اور نافرمانی جتنی کم کریں گے، اتنی ہی سعادت اور آسائش والی زندگی گزاریں گے: یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اپنے باطن کو ظاہر سے زیادہ بہتر بنائیں، اچھے اخلاق اور مزاج کو زندگی میں نہیں بھولنا چاہیے، جو چیز زندگی میں مفید نہیں سمجھی جاتی اور اصل خوشی اس سے حاصل نہیں ہوتی ان چیزوں کو چھوڑ دینا چاہیے، ہمیں اپنی زندگی میں اس نتیجےپر پہنچنا چاہیے کہ جو کچھ انسان کےلیے اس دنیا میں بچتا ہے وہ آخرت میں

(c) ketabton.com: The Digital Library

کام آئے گا، انسان کو دنیا کے مال و متاع کا دھوکہ کھاکر ہمیشہ پیسے کی فکر میں نہیں ہونا چاہیے، اس میں کوئ شک نہیں کہ انسان جتنا ہوسکے وہ محنت اور مشقت کرتا رہے تاکہ کسی کا محتاج نہ بنے، اور دوسروں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے، لیکن اس سلسلے میں اعتدال اور خدا کے احکامات کا لحاظ کرکے دونوں جہانوں میں صلاح اور کامیابی کا مستحق بنے گا، اے اللہ! ہمیں دونوں جہانوں کی خوشیاں نصیب فرما۔ (آمین)
اے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، اگر تو نے ہم پر رحم نہ کیا اور درگزر نہ کیا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے، (ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین)

غیر اللہ کی قسم کھانا

غیر اللہ کی قسم کھانا یا اللہ کے اسماء صفات کے علاوہ کی قسم کھانا مطلق طور پر حرام ہے، اوراس کا شمار شرک اصغر میں ہوتاہے، یہاں تک کہ اگر کسی نے غیر اللہ کو تعظیم کے ساتھ بڑا سمجھتے ہوئے اس کی قسم کھائی تو وہ شرک اکبر کا مرتکب ہوگا، اس کی وجہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے فرماتے ہیں: (من حلف بشيء دُونَ اللهِ فقَد أشرَك) ترجمہ: "جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی یقیناً اس نے شرک کیا " (ترمذی: ۱۵۳۵) ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔
لہذا ہم مسلمانوں کو اول توقسم نہیں کھانی چاہیے اور اگر کھانی ہو تو پھر صرف اللہ یا اس کے ناموں اور صفات میں سے کسی ایک کی ہونی چاہیے۔
خدا تعالیٰ اپنی مخلوق کی قسم کھا سکتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:
(وَالشَّمْسِ وَضُحٰـهَا۝۱ ،وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰـهَا۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰـهَا۝۳ ،وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰـهَا۝۴ ،وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰـهَا۝۵ ،وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰـهَا۝۶ ،وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰٮهَا۝۷) (الشمس: ۷-۱) ترجمہ: " آفتاب کی روشنی کی قسم، اور چاند کی جب اس کے پیچھے نکلے، اور قسم ہے دن کی جب وہ اس (سورج) کو ظاہر کردے!، اور قسم ہے رات کی جب وہ اس (سورج) کو ڈھانپ لے، اورآسمان اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا، اور زمین کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے بچھایا، اور قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے ٹھیک بنایا"
ان آیات میں اور بہت سی دوسری آیات میں خدا تعالیٰ سورج، چاند ، رات، دن وغیرہ کی قسم کھاتا ہے، جاننا چاہیے کہ فجر، شمس، لیل، جفت اور وتر وغیرہ مخلوقات کی قسم کھانا صرف اور صرف خدا تعالیٰ کے لیے خاص ہے، ہم انسانوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ مخلوق میں سے کسی بھی چیز کی قسم

(c) ketabton.com: The Digital Library

کھائیں، کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام میں سے کسی نے بھی شمس یا فجر، لیل یو وتر وغیرہ کی قسم نہیں کھائی ہیں، اگر جائز ہوتی تو وہ ان چیزوں کی قسم کھاتے۔

البتہ رب تعالیٰ جس چیز کی چاہتا ہے قسم کھاتا ہے، خدا تعالیٰ کی ان قسموں سے مقصود اپنی نعمتوں کی یاد دہانی ہے وہ نعمتیں جیسے: سورج، دن، رات اور پہاڑ وغیرہ کہ ان سب کو اللہ نے انسانوں کے لیے پیدا فرمایا ہے، اور خدا کا ان نعمتوں پر قسم کھانے کا مقصد ہمیں اس کی یاد دہانی کرانا ہے اس بناء پر فقط ان کے خالق (یعنی خدا) اُن مخلوقات کی قسم کھا سکتا ہے نہ کہ ہم انسان جو کہ خود مخلوق ہیں، ہمیں ان کی قسم نہیں کھانی چاہیے، کیونکہ یہ خدا کے لیے خاص ہے، اللہ تعالیٰ کا ان پر قسم کھانے کا مقصد اپنے مخلوقات کو یاد دہانی کرانا ہے۔

اگر غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہوتا تو یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس سے منع کرنے کے بجائے ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے خدا کے سوا کسی اور کی قسم کھانے کو جائز قرار دیتے، جبکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (أَلَا إِنَّ اللّٰهَ عزّوجلّ ينْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ أَوْ لِيَصْمُتْ) (بخاری: 2679)(مسلم:1646) ترجمہ: "خبردار یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آباو اجداد کی قسم کھانے سے روکتا ہے، پس جو کوئی قسم کھانا چاہے تو اس کو چاہیے کہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔"

دوسری روایت میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (مَن كان حالفًا فلا يحلِف إلّا باللہ) ترجمہ: "جو قسم کھانا چاہے وہ اللہ کے علاوہ کسی کی قسم نہ کھائے"

راوی فرماتے ہیں کہ: قریش اپنے آباواجداد کے نام کی قسم کھاتے تھے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (لاتَحلِفُوا بآبائكم) ترجمہ: "اپنے باپوں کے نام کی قسم نہ کھاؤ"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت اس موضوع کی تائید کرتی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلْفِهِ: بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَمَنْ قَالَ لأخيهِ تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ) (رواہ مسلم وغیرہ) ترجمہ: " تم میں سے جس نے حلف اٹھایا اور اپنے حلف میں کہا:لات کی قسم! تو وہ لا الہٰ الااللہ کہے اور جس نے اپنے ساتھی سے کہا: آؤ، جوا کھیلیں تو وہ صدقہ کرے" (بخاری:۴۸۶۰) (مسلم:۱۶۴۸)۔

(c) ketabton.com: The Digital Library

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کو جس نے لات اور عُزی کی قسم کھائی ہے حکم دیا ہے کہ وہ لا الہٰ الاالله کہے، (یعنی: تجدید ایمان کرے) کیونکہ اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا توحید کے کمال کے خلاف ہے، اس کام میں اس قسم کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے غیر اللہ کی تعظیم ہوئی ہے۔

جی ہاں! یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات ہیں کہ غیر اللہ کی قسم کھانے سے صراحتاً منع فرماتے ہیں، اگر چاند اور ستاروں کی قسم کھانا جائز ہوتا تو کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں غیر اللہ کی قسم کھانے سے روکتے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی آیات اور اس کے معانی کا انسانوں میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے تو پھر کیوں ان آیات کی روشنی میں جس میں خدا نے ان مخلوقات کی قسم کھائی ہے غیر اللہ کی قسم کھانے کے جواز کا حکم نہیں دیتے؟ العیاذ باللہ! کیا رسول اللہ نے رسالت کے معاملے میں کوتاہی کی تھی؟ یا ان کے معانی نہیں جانتے تھے؟ کیوں ان کے اصحاب کرام غیر اللہ کی قسم نہیں کھاتے تھے؟، جیسا کہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: (لأَنْ أَحْلِفَ بِاللَّهِ كَاذِبًا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَحْلِفَ بِغَيْرِهِ صَادِقاً) (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲۲۸۱) ترجمہ: "یہ کہ خدا کی جھوٹی قسم کھانا مجھے زیادہ پسندہے خدا کے سوا کسی اور کی سچی قسم کھانے سے"

مختصر یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں چاند، سورج، زمین، آسمان اور دیگر مخلوقات کی قسم کھائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جہاں والوں کا پروردگار اور خالق ہے اپنی مخلوق کی قسم کھاسکتا ہے، لیکن مخلوق کے لیے جائز نہیں ہے کہ دوسرے مخلوق کی قسم کھائے، صرف اللہ پر اس کے اسماء و صفات اور کلام پر قسم کھائے مثلاً کہے: "واللہ"یا"اللہ کے کلام پر" اسی طرح کی قسمیں۔

عصر کی قسم کھانے کی حکمت

(وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ)

اللہ تعالیٰ کی قسم سے کون سی عصر مراد ہے؟ کیوں عصرکی قسم کھائی ہے، عصر سے مراد زمانہ اور وقت ہے، اور اللہ تعالیٰ اس بناء پر وقت اور زمانہ کی قسم کھاتا ہے کہ وقت رات اور دن کے گزرنے کا ذریعہ ہے، اور اندھیرے اور روشنی کا پے در پے آنا اور واقعات اور معاملات رونما ہونا اور زندگی کے کا قیام اور فوائد اور زندوں کے مفادات وقت پر منحصر ہیں جوکہ انہیں اپنی گود میں پالتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام چیزیں ایک صانع کے وجود اور اس کی وحدانیت پر واضح دلیل ہیں۔

اس لحاظ سے خدا کا زمانے کی قسم کھانا زمانے کے شرف اور اہمیت کی

(c) ketabton.com: The Digital Library

دلیل ہے، اس لیے حدیث شریف میں ہے کہ: (لاتسبوا الدھر،فإن الله هو الدھر) ترجمہ: "زمانے کو گالی مت دو کیونکہ زمانے کو (پیدا کرنے والا) خود اللہ تعالیٰ ہے" (صحیح مسلم: ۲۲۴۷)
مقاتل کے قول کے مطابق: عصر سے مراد: نماز عصر ہے، اس لیے اکثر علماء نے "صلاۃ وسطی"کی تفسیرکی عصر نماز سے کی ہے اس تفسیر کی بنیاد پر، یہ قسم اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ دنیا کی جتنی عمر باقی ہے گزشتہ عمر کی بنسبت وہ اتنی ہے کہ جتنا وقت نماز عصر اور مغرب میں ہے اسی مقدار کی عمر باقی ہے، پس انسان کو چاہیے کہ بغیر نقصان والے تجارت میں مشغول ہوجائے، کیونکہ (وقت) آخر تک قریب ہوچکا ہے، اور گزرے زمانے کی تلافی ممکن نہیں ہے۔
البتہ ابن کثیر نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے (تفسیر انوارالقرآن)

ایک ضروری ملاحظہ

اللہ تعالیٰ زمانے کی قسم کھاتا ہے اس کے لیے خاص ہے، اور ہم انسانوں کو اس کے نام اللہ یا اس کے صفات کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم نہیں کھانا چاہیے، اس معاملے میں علماء کے فتاوی کی طرف رجوع فرمائیں۔

صدق الله العظيم وصدق رسوله النبي الكريم

Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library